حیات اور اس کے حاصلات

یعنی

کیا کھویا کیا پایا

از

عبدِ فقیر خادمِ قرآن محمد کفایت اللہ

پیدائش

فیروز پور، انڈیا۔

ابتدائی تعلیم

پرائمری سکول، پاک پتن کے قرب وجوار میں۔

ابتدائی اسلامی تعلیم

اسلامی تعلیم وتربیت کا آغاز سب سے پہلے والدہ ماجدہ کی آغوش رحمت سے ہوا۔ پھر انہی کی توجہ اور تربیت سے آپؐ کی محبت اور آپؐ کی تعلیماتِ رحمت وحکمت کے ابتدائی نقوش قلب و قالب میں راسخ ہوئے۔

تین چار سال کی عمر میں یتیمی سے ابدی واسطہ پڑ گیا۔ پھر دادا جان کے دامنِ شفقت میں پناہ ملی۔ انہوں نے کلمہ طیبہ اور اس کے مبادی و مطالبات کا ابتدائی سبق پڑھایا۔ ان کے فیضِ محبت سے علماو اولیائے دیوبند جیسے حکیم الاسلام قاسم نانوتویؒ، فقیہہ النفس رشید احمد گنگوہیؒ، مربی عظیم اشرف علی تھانویؒ، شیخ الہند محمود الحسنؒ، شیخ العرب والعجم حسین احمد مدنیؒ اور شاہ عبد القادر رائے پوریؒ جیسے اکابر معلمین، مصلحین اور مربین کے علمی و عملی تعلیمی، اصلاحی اور تربیتی افکار و تصورات سے رابطہ ہوا کہ جس نے آج تک پیچھا نہیں چھوڑا۔ وللہ الحمد۔

ابتدائی تعلیم کا آغاز

جنون کا ایک ایسا دور آیا کہ جس کے نتیجے میں اللہ اور اس کے قرآن، محمد ﷺ اور ان کے اسوۂ جامعہ کے سوا ہر چیز ذہن سے محو ہو گئی۔ دنیا اور اس کی جاذبیتوں سے دل بالکل اٹھ گیا۔ تلاشِ الٰہی اور محبتِ باری میں ایسی وارفتگی طاری ہوئی کہ جس کے نتیجے میں گھر بار چھوڑ چھاڑ کر ایک طرف مرحوم علامہ اسماعیل بخاری عرف کرمانوالہ کے خطباتِ جمعہ اور مجالس میں دیوانہ وار حاضری دینے لگا تو کبھی سائیں عبد الرزاق دیپالپوری مرحوم کی مجالسِ صالحہ سے لطف اندوز ہونے لگا۔ اسی کیفیت کے دوران عربی زبان اور اس کے علوم وفنون کی عملی اہمیت کا احساس ہوا۔ اور اس احساس کے زیرِ اثر کہ جس کی جامعہ محمدیہ اوکاڑہ میں ایک جھلک دیکھی تھی۔ اس کی آشنائی وروشنائی نے مجھے اشرف المدارس اوکاڑہ سے دار العلوم جامعہ عثمانیہ جا پہنچایا۔ اس جامعہ عثمانیہ کے بانی مبانی علامہ قاضی عبد الرحمنؒ تھے کہ جو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے فدائی، معاون اور جانثار تھے۔ اور انہی کے نام نامی اور اسم سامی پر یہ جامعہ عثمانیہ قائم کی گئی تھی۔ اور یہاں پر ان علمائے دیوبند کے افکار و تصورات کا غلبہ تھا کہ جنہیں تقسیم ہند اور قیامِ پاکستان کے حوالے سے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمدؒ، علامہ ظفر احمد عثمانیؒ اور علامہ محمد شفیعؒ جیسے بزرگوں نے پروان چڑھایا تھا۔ اور یہاں پر تربیت کے حوالے سے علامہ اشرف علی تھانویؒ اور ان کے خلیفہ علامہ خیر محمد جالندھریؒ کے طریقِ کار اور اسلوب وانداز کا غلبہ تھا۔ یہاں پر میں نے ادیب عربی کے نصاب کی تکمیل کی کہ جسے پہلے مولوی کے نصاب کے نام سے پڑھایا جاتا تھا۔

مولوی / ادیب عربی کے بعد

مولوی یا ادیب عربی کی تکمیل کر لینے کے بعد میرے اندر علوم عصریہ اور دورِ حاضر میں پیش آنے والے مسائل و معاملات کا اسلامی تناظر میں مطالعہ کرنے کا داعیہ بیدار ہوا۔ اسی کے پیشِ نظر اور اس داعیہ کی تکمیل کی الٰہی صورت یہ بنی کہ بندہ علامہ ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی تجاویز و تعلیمات کے زیرِ اثر قائم ہونے والے دار العلوم یعنی جامع العلوم پہنچا دیا گیا۔ یہ جامع العلوم جماعتِ اسلامی کے ابتدائی دور کے بانی ارکان کے زیرِ انتظام چل رہا تھا۔ وہاں پر علامہ مودودیؒ کے علمی و عملی افکار و تصورات سے پوری طرح علمی و عملی سیرابی ہوئی۔ جماعتِ اسلامی کے اسلوب و اندازِ تعلیم و تربیت سے شناسائی حاصل ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ عالم عربی کے نصاب پر مشتمل علومِ عربیہ و اسلامیہ کی کتب کو پڑھا کہ جسے پہلے مولوی عالم کا نصاب کہا جاتا تھا۔ اور اس طرح یہ امتحان بھی پاس کر لیا۔

مولوی فاضل کے امتحان کو پاس کرنے کا جامع العلوم ملتان میں کوئی انتظام نہ تھا۔ لہٰذا لاہور آکر پنجاب یونیورسٹی کے زیرِ سایہ قائم شدہ اورینٹل کالج لاہور میں داخلہ لیا کہ جو السنہ شرقیہ کی تحصیل اور تربیت کا نہایت قدیم ادارہ ہے، جہاں سے بالواسطہ اور بلا واسطہ علامہ شبلیؒ اور علامہ حمید الدین فراہیؒ جیسے اعاظم رجال نے علامۃ الھند فیض الحسن سہارنپوری سے کسبِ فیض کیا تھا۔ یہ ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ (مشہور ماہرِ تعلیم) کی پرنسپلی کے آخری ایام تھے اور مولوی فاضل کی تدریس کے انتظام کا چراغ بجھنے کے قریب تھا اور ہمارے سیشن کے بعد یہ واقعی بجھ گیا۔ بہر حال میں نے عربی ادب یعنی دیوانِ حماسہ، دیوانِ متنبی اور بیضاوی وھدایہ جیسے اسباق علامہ حافظ نور الحسنؒ اور علم المعانی علامہ عبد الصمد صارم الازہریؒ سے پڑھے۔ اور تعبیر و انشاء اور ترجمتین کی مہارت عربی زبان کے مشہور استاد جناب حافظ ظہور احمد ازہرؒ سے حاصل کی۔ اور یہ ان کا کالجوں میں تدریس کے حوالے سے پہلا سال تھا اور بحمد اللہ میں نے مولوی فاضل کا امتحان بھی نمایاں پوزیشن میں پاس کر لیا۔ اسی دوران جناب امین اللہ وثیرؒ سے بھی جدید فلسفہ کے اسباق لینے کا اتفاق ہوا۔ لاہور آکر مولوی فاضل کا امتحان پاس کر لینے کے بعد پرائیویٹ طور پر میٹرک، ایف اے اور بی اے کے امتحانات پاس کر لئے۔ پھر 71-1970 کے سیشن میں عربی زبان میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے عربی کا امتحان نمایاں پوزیشن میں پاس کیا۔

یہ تو ہوا تعلیمی مراحل کا بیان۔ اب آیئے عملی حاصلاتِ حیات کی طرف۔

مولوی فاضل اور بی۔ اے۔ کرنے کے بعد

ادارہ ثقافتِ اسلامیہ میں کچھ مدت تک علامہ محمد جعفر شاہ پھلوارویؒ اور علامہ محمد حنیف ندویؒ سے علمی استفادے کا موقع ملا۔ اور پھر شاہد حسین رزاقیؒ اور جناب سید نذیر نیازیؒ جیسے اصحابِ علم اور اصحابِ رائے کے ساتھ ایک لمبی مدت گزارنے سے عصرِ حاضر کو در پیش مسائل و معاملات اور ان کے حل کے حوالے سے ایک بصیرت عطا ہوئی۔ قدیم و جدید کو یکجا طور پر دیکھنے اور ان کے باہمی ملاپ سے پیدا ہونے والی صورتِ احوال کا تدارک کرنے کا احساس پیدا ہوا۔ سید نذیر نیازیؒ کی صحبتوں سے حکیم الامت علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ کے علوم و معارف اور بالخصوص ختمِ نبوت کے حوالے سے ان کے افکار کی صحیح قدر و قیمت اور عالمِ اسلامی و عالمِ انسانی پر مرتب ہونے والے اثرات کا احساس ہوا۔ پھر آپ ہی کے توجہ دلانے سے سر سید علیہ الرحمۃ اور معتزلہ کی مساعی اور ان کے معارف کو بہت اچھی طرح جاننے اور ان کی قدر قیمت کا تعین کرنے کا اپنے اندر ملکہ پیدا کیا۔ انہی کے

توجہ دلانے سے علامہ عبید اللہ سندھیؒ کے افکار و تصورات جاننے اور ایک لمبی مدت تک شاہ ولی اللہ اور ان کے علوم و معارف کو بھی علامہ عبید اللہ سندھیؒ کے نقطہ نظر سے پڑھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ اور اس حوالے سے علامہ سندھیؒ کے شاگرد جناب علامہ عبد اللہ جلالپوریؒ کی تعلیمی و تربیتی صحبتوں سے بے پناہ استفادہ کیا۔

1968-92ء

یہ عرصہ ڈاکٹر برہان احمد فاروقیؒ کی صحبت و رفاقت میں گزرا۔ خاص طور پر 90-1980ء کے دس سال تو ڈاکٹر صاحب کے ساتھ صبح و شام واسطہ رہا۔ میں ان دنوں جامع ریاض، اسلامیہ پارک میں امام و خطیب تھا اور فجر کے بعد درسِ قرآن دیا کرتا تھا۔ اور جناب ڈاکٹر برہان کی رہائش گاہ بھی مسجد کے جوار ہی میں تھی۔ اس لئے صبح و شام فکری و تربیتی مجالس برپا رہتی تھیں۔ ان دروسِ قرآن میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، ڈاکٹر محمد ابراہیم، ڈاکٹر ریاض قدیر اور ملک محمد یوسف جیسے بزرگ تشریف فرما ہوا کرتے تھے۔

کلیۃ القرآن کا پرنسپل بننا

محترم و مرحوم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب (بانی تنظیم اسلامی، پاکستان) کے ساتھ ان کے لاہور آجانے کے بعد تعلقات قائم ہوئے اور ان کے ہاں آنا جانا تقریباً روز کا معمول بن گیا۔ انہوں نے جب 1972ء میں انجمن خدامِ قرآن قائم کی تو سابقہ تعلقات کی بنیاد پر انجمن کے زیرِ سایہ قائم ہونے والے کلیۃ القرآن (قرآن کالج) کا پرنسپل بن جانے کی مجھے پیشکش کی۔ جو بندہ نے خدمتِ قرآن اور خدمتِ عربی زبان کے جذبے کے تحت قبول کرلی۔ اس وقت یہ کالج 12 افغانی روڈ لاہور پر تھا۔ یہاں پر دو کلاسیں عربی زبان کے حوالے سے شروع ہوئی تھیں۔ ان کے علاوہ مسجدِ شہداء مال روڈ لاہور پر بھی ایک شبینہ عربی کلاس شروع ہوئی۔ جس میں تدریس کی ذمہ داری بندہ پر ڈالی گئی۔ یہ کلاسیں اور پرنسپل شپ کا دور 1974ء فروری مارچ تک قائم رہا۔ میں نے کلیۃ القرآن میں عربی زبان پڑھانے کا جو اسلوب و انداز اختیار کیا تھا، میرے کافی عرصہ بعد جناب پروفیسر عطاء الرحمن ثاقب مرحوم نے ابھی اسی اسلوب و انداز کو اختیار کرکے اسی سلسلے کو آگے بڑھانے میں شاندار خدمات انجام دیں۔

دار السلام باغِ جناح اور خطابت

کلیۃ القرآن میں تدریس کے ساتھ مرحوم و مغفور ڈاکٹر اسرار احمد کے اصرار پر بندہ باغِ جناح میں قائم مسجد دار السلام میں کافی عرصہ تک خطبۂ جمعہ دینے کا فریضہ بھی انجام دیتا رہا۔ ان دنوں اس مسجد کا انتظام و اہتمام جناب کرنل سلامت اللہ مرحوم کے ماتحت تھا۔ اور وہاں پر نوجوان کافی بڑی تعداد میں شریک ہوا کرتے تھے۔ لیکن 1975ء میں آنکھوں کے آپریشن کی وجہ سے اس سلسلے کو بعد میں جاری نہ رکھا جاسکا۔

اس درسِ قرآن کے ساتھ ساتھ ایک ماہنامہ **'تعمیرِ انسانیت'** کا اجراء ہوا جو 89-1980ء تک جاری رہا کہ جس میں بندہ 1985ء تک مدیرِ اعلیٰ کے فرائض انجام دیتا رہا۔ اس میں طبع ہونے والے بعض مضامین (جیسے نظریۂ امامت – قرآن حکیم کی روشنی میں) کی علامہ محمد حسین عرشی (جو

علامہ اقبال کے ہم عصر اور ہم نشین تھے) جیسے مفکرین نے بے پناہ داد دی۔ 1991ء میں ماہنامہ ندائے فرقان جاری کیا جو 93ء تک جاری رہا۔ پھر 2000ء میں سلسلۂ اشاعت القرآن جاری کیا۔ اس کے علاوہ چند مطبوعہ کتب یہ ہیں:

- تعارفِ قرآن بزبانِ قرآن۔
- تعارف رسول بزبان قرآن۔
- مقاصد نزولِ قرآن۔
- قرآن حکیم اور عقل۔
- تعارفِ تحریک تعمیر انسانیت۔
- مقالاتِ قرآن جلد اول۔
- مقالاتِ قرآن جلد دوم۔
- مقالاتِ قرآن جلد سوم۔
- روشنی کے مینار۔
- اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یورپی سازشیں۔
- اور سینکڑوں مقالات جو روزنامہ مشرق لاہور کے ملی ایڈیشنز میں شائع ہوتے رہے۔

موجودہ مصروفیات

گزشتہ تیس سالوں سے قرآن کی ترجمانی پر کام کرنے میں مصروف ہوں کہ جس کے خصائص یہ ہیں:

1) قرآن کی اس ترجمانی میں استعمالاتِ عربیہ اور محاوراتِ عرب کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ اور قرآنِ حکیم کے مختلف مقامات پر جس طرح الفاظِ قرآن آئے ہیں، اس تنوع کو بھی پوری طرح اہمیت دی گئی ہے۔
2) قرآنی مصطلحات کو متعین کرتے وقت قرآنی آیات، آپؐ کے اسوہ جامعہ اور آپؐ کی سنتِ ثابتہ، اعمال متواترہ اور صحابہ کرام کے تعامل یعنی سبیل المؤمنین کو پوری طرح پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔
3) مذہبی، سیاسی اور تاریخی فرقہ واریت کی نفسیات اور اس کے آثار و ظواہر سے اس قرآنی ترجمانی کے کام کو بروئے کار لانے کے دوران کلی طور پر اجتناب سے کام لیا گیا ہے۔
4) اس ترجمانی میں فرد کی تعمیر و تشکیلِ ذات اور مسلم سوسائٹی کے قیام اور امتِ مسلمہ میں احیائے خلافت اور نوعِ انسانی میں ایک عالم گیر اخوت، مساوات، عدالت اور ربوبیتِ عالمینی کی اقدارِ رحمت و حکمت وعدل کو پروان چڑھانے کے لئے آپؐ کی بعثت کے رحمت للعالمین ہونے کے پہلوؤں کو نمایاں کرنے کے نصب العین سے کسی صورت بھی صرف نظر نہیں ہونے دیا۔

دین کے ماخذ

1) میرے نزدیک دینِ اسلام کا اولین، مرکزی اور بنیادی ماخذ کتاب اللہ ہے۔ اسے دینِ اسلام کے الٰہی متن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

2) اس الٰہی متن کے لئے رسول اللہؐ کے افعال، اعمال، اقوال، فرمودات اور احادیث و سنن کو اس الٰہی متن کے لئے مبین یا شرح و وضاحت کا مقام حاصل ہے۔ یعنی کتاب اللہ بطور اصلی متن اور اسوہ رسول اللہ بطور اس کی شرح و تبیین کے دینِ اسلام کے مستند ترجمان و ماخذ ہیں۔

3) اس کے بعد صحابہ کرام یعنی حقیقی و اصلی جماعتِ مومنین کے اجتماعی موقف اور مسلک کو سبیل المومنین کا مقام حاصل ہے۔ لہٰذا اسے بھی دینِ اسلام کا مستند ماخذ ہونے کا مقام حاصل ہے۔

4) اس کے بعد ائمہ فقہ، ائمہ حدیث اور فنون و علوم کے ائمہ کو بھی دینِ اسلام میں معتبر مقام حاصل ہے۔ لیکن کلام اللہ اور اسوہ رسول اللہ کے علاوہ ہر قول اور عمل کو دلیل و برہان کی بنیاد پر رد یا قبول کیا جاسکتا ہے۔ لیکن کتاب اللہ اور اسوہ رسول اللہ کو بہر صورت حاکمانہ حیثیت حاصل ہے۔ ان کو رد کرنے والا شخص دائرہ اسلام میں نہیں رہ سکتا۔ اور ان کی حاکمانہ حیثیت کو قبول کرنے والے شخص کے اسلام کو کوئی شخص چیلنج نہیں کر سکتا۔ وباللہ التوفیق۔

میرا مسلک

بندہ ناچیز نے جو کچھ سیکھا ہے اس میں علمائے دیوبند اور علامہ ابوالاعلیٰ مودودیؒ صاحب کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ مگر علامہ امین احسن اصلاحیؒ اور ان کے استاد امام حمید الدین فراہیؒ کا بھی میں حد سے زیادہ احسان مند ہوں۔ ان آخری ایام میں علمائے اہلِ حدیث (قدیم و جدید) سے بھی بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود میرا کسی فرقے یا فقہ سے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے۔ تمام ائمہ فقہ اور ائمہ حدیث اور ائمہ تفسیر کو میں اسلامی فقہ اسلامی حدیث اور اسلامی تفسیر کے ائمہ مانتا ہوں۔ ہر ایک سے دلیل و برہان کی بنیاد پر استفادہ کو روا سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک مسلمانوں کے زوال بغداد سے لے کر سقوطِ ڈھاکہ تک میں مذہبی و سیاسی فرقہ واریت نے مرکزی کردار انجام دیا ہے۔ اور آج بھی جس تکلیف دہ اور روح فرسا صورتِ احوال میں اہالیانِ پاکستان مبتلا ہیں۔ اس کا بھی سب سے بڑا سیاسی و مذہبی عصبیت، تشدد اور فرقہ واریت ہے۔ میرے نزدیک ہر مسلمان مخلص مفکر عالمِ دین پر واجب ہے کہ مسلم حنیف بن کر سیاسی و مذہبی فرقہ واریت سے اپنے دامن کو بچاتے ہوئے امتِ مسلمہ کو بالعموم اور اہالیانِ پاکستان کو بالخصوص موجودہ صورتِ احوال سے نکالنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دے۔ کیونکہ اسی میں امتِ مسلمہ کی سرفرازی اور اپنے اصل مقام پر دوبارہ بحالی مشروط ہے۔

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

قاضی محمد کفایت اللہ

موبائل:0300-4335376

فون:042-37490551

الفرقان فاؤنڈیشن،98/E

سبزہ زار سکیم، ملتان روڈ، لاہور۔